یعنے معشوق اپنی بیوفائی سے شرمندہ نہین ہوتے اور اسلئے معشوقانِ دنیا و محبوبانِ ماہ سیما کی وفاداری بے معنی بات ہے۔ مطلب یہہ کہ معشوقون سے وفا کی امید نرکھنی چاہیے کیونکہ معشوق بیوفا ہوا کرتے ہین **نقش وفا** یعنے نقش وفا معشوقون کا وجہ **تسلی** = باعث تسلی عاشقون کا۔ شرمندہ وہی شخص ہوگا جو بے حیا ہوگا لہذا لفظ کی شرمندگی یہہ ہے کہ بے معنی ہو۔ معشوق جو وفا کا وعدہ کرتے ہین اُس سے عاشقون کی کچھہ تسلی توہو جاتی ہے مگر انجام کچھہ نہین لہذا نقش وفا کو غیر تسلی اور تسلی نہین دینے والا قرار دیا ہے دہر = بالفتح زمانہ و عصر **نقش وفا** = یعنے لیاقت وفا۔ صورت وفا و استقرار علم وفا۔ **تسلی** = یعنے دلخوشی اور خوش عیشی۔ **لفظ** = جو بولی آدمی کے منہ سے نکلتی ہے اُسکو لفظ کہتے ہین خواہ وہ بے معنی ہو یا با معنی مگر یہان لفظ بے معنی مراد ہے کیونکہ شرمندہ معنی نہوا کہتا ہے۔ یہہ اسکا مشارالیہ وفا ہے

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا	یہہ زمرد بھی حریف دم افعی نہوا

یہہ زمرد = یعنے سبزۂ خط۔ زمرد سبز رنگ ہوتا ہے اور سبزۂ خط بھی مائل بسبزی ہوتا ہے لہذا سبزۂ خط کو زمرد قرار دیا ہے۔ **خط** مجازاً سبزۂ نورستہ کو بھی کہتے ہین جو رخسار کے اطراف ظاہر ہوتا ہے اور پشت لب سے شروع ہوتا ہے اور اُسکی تشبیہ سبزہ کے ساتھہ دیجاتی ہے **حریف** یعنے مقابل اور یہہ مجازی معنے ہین۔ حقیقت مین شخص ہم پیشہ کو حریف

کہتے ہین - اور یہان مجازی معنے مقصود ہین دم افعی = یعنے افعی کی سانس - یہان افعی سے مراد کاکل ہے کیونکہ کاکل کو افعی کے ساتہہ تشبیہ دیتے ہین - **کاکل** بمعنی زلف بہی آیا ہے اور حقیقت مین جو بال پشت سر کی جانب مین ہوتے ہین اُن کو کاکل کہتے ہین مگر اس شعر مین کاکل کے معنے زلف کے ہین - **افعی** = سانپون کی قسمون مین سے ایک قسم ہے جو نہایت زہرناک ہوتی ہے - **دُبنا** = مغلوب ہونا - زیر ہونا اور یہہ مجازی معنے ہین - سبزۂ خط کی دلکشی اور دلچسپی مشہور ہے کیونکہ جو سبزۂ خط آغاز ہوتا ہے وہ بہت خوشنما ہوتا ہے چنانچہ میرزا صائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین ؎ یاقوت آبدار تو آورد عاقبت ٭ خطے بروے کار کہ ریحان بگرد رفت ٭ اور اسیری کہتا ہے ؎ چون سبزہ دمیدہ شد بہ بستانِ رخت ٭ بشگفت بنفشہ در گلستان رخت اور کسی کا اردو شعر ہے ؎ کیون نہ دل شیفتہ ہوتا مرا اس گلرو پر حسن کا جوش بہی تہا سبزہ کا آغاز بہی تہا - اب شاعر کہتا ہے کہ اے معشوق تیرا کاکل سرکش اسقدر خوشنما ہے کہ اُسکی خوشنمائی سبزۂ خط کی خوشنمائی سے بہتر ہے - ہم سمجہتے تہے کہ سبزۂ خط کے سامنے تیرا کاکل سرکش دب جائیگا اور خط کی دلکشی کاکل کو بے رونق کر دیگی مگر ایسا نہوا اور تیرا کاکل ہمیشہ کیطرح سرکش بنا رہا اور سبزۂ خط تیرے کاکل کا مقابل ہو نسکا - درحقیقت یہہ شعر کاکل کی تعریف مین کہا ہے اور کاکل کو سبزۂ خط سے زیادہ تر خوشنما قرار دیا ہے -

وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا	مین نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹون

اندوہ = یعنے غم والم - وفا - یعنے وعدہ بجالانا اور دوستی انجام کو پہونچانی اور کسی بات کے وعدہ کو پورا کرنا - کہتا ہے کہ میرا معشوق ایسا ظالم ہے کہ میرے مرنے پر بھی راضی نہوا کیونکہ مرجانے مین اندوہ وفا سے رہائی ہو جاتی مگر اُس نے میری رہائی نچاہی - بہ سبب ظلم و ستمگری کے یہہ شاعرانہ مضمون ہے اور شعر صاف ہے -

گر نفس جادۂ سر منزل تقوی نہوا	دل گذرگاہ خیال مے و ساغر ہی سہی

نفس = دو زبر سے - اس لفظ کے معنے دم اور سانس کے ہین - یہہ لفظ مذکر ہے جیسا کہ مرزا نے یہان استعمال کیا ہے مگر میرے خیال مین یہہ لفظ مونث باندہا جائے تو بہتر ہے - نفس کو جادہ اور راستہ کے ساتہہ تشبیہ دیتے ہین اور وجہ تشبیہ نفس کی آمد و رفت اور درازی ہے کیونکہ نفس دراز شئے ہوتی ہے اور نفس مین جو آمد و رفت ہے وہ ظاہر ہے - گر = مخفف اگر کا ہے مگر اب اردو مین متروک ہے - جادہ = راستہ - سر منزل = سر اس موقع پر زائد آیا ہے - سر منزل یعنے منزل - تقوی - پرہیزگاری و خداترسی - گذرگاہ = گذر کی جگہ ہی = زائد نہین آتا بلکہ حصر و انحصار کے لئے آتا ہے - اس شعر مین دوسرا مصرع شرط اور پہلا مصرع اُسکی جزا ہے اگرچہ قاعدہ نحو کے لحاظ سے

شرط اول آنا چاہیئے اور جزا اُسکے بعد مگر جزا کی تقدیم شرط پر اشعار مین جائز ہے - یہہ شعر صاف اور عمدہ اور فلسفیانہ ہے یعنے اگر ہمارا دم اور ہماری سانس منزلِ تقوی کا راستہ نہ بنی تو خیر نہ سہی ہمارا دل بیکار نہ رہے بلکہ خیال شراب و جام کی گذرگاہ ہو جاے یعنے ہمارے نفس کو ذکر آلہی اور تسبیح و تہلیل نصیب نہوے تو نسہی - ہمارا دل شراب کے خیال مین مصروف و مشغول رہے اور ہم شراب نوشی کیا کرین مطلب یہہ کہ بیکاری بری چیز ہے اگر آدمی کو خیر نصیب نہو تو شر ہی مین مبتلا رہنے مگر بیکار نرہے ❋ دل گذرگاہِ خیال مے وساغر باید ❋ گر نفس جادۂ سر منزلِ تقوی نشود ذرا سے تغیر مین سالم شعر فارسی بنگیا - حضرت قبلگاہی مولانا والد مرحوم و مغفور نے اس شعر کی شرح مین جو باریک کی قید لگائی ہے درحقیقت نہایت عمدہ اور بامزہ و پر لطف ہے اور اُسکو اعلی درجہ کا شاعر سمجھہ سکتا ہے یہان باریک بڑے کام کا لفظ ہے کیونکہ جادۂ نفس کی صفت باریک ہو سکتی ہے -

ہون ترے وعدہ نکرنے مین بھی راضی کہ کبھی	گوش منت کش گلبانگ تسلی نہوا

کہ = کاف تعلیل کا ہے اور اسکے معنے کیونکہ ہین - کہ کبھی دوسرے مصرع کے متعلق ہے جو پہلے مصرع مین آگیا ہے اگرچہ فارسی مین بھی استادون کے کلام مین کہین کہین اسطرح آیا ہے مگر حقیقت مین رکیک ہے لہذا مستحسن الترک ہے کیونکہ جب چیز مصرع ثانی کے متعلق ہے اُسکو مصرع اول مین داخل کرنا ضرور نہین

وزن یا عجز طبیعت کی دلیل ہے۔ **منت کش** = احسان اٹھانے والا
گلبانگ = مجازاً آواز کے معنون مین آتا ہے اور حقیقت مین غنچون کے
چٹخنے کی آواز کو جو شاعرون کے پاس ایک فرضی آواز ہے گلبانگ کہتے
مین یہہ لفظ مرکب ہے لفظ گل اور بانگ سے **تسلی** = خوشی۔ **گوش** =
مذکر ہے مصرع گوش منت کش گلبانگ تسلی نشدہ۔ نشدہ کہنے سے مصرع
فارسی ہوگیا۔

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے	**ہم نے چاہا تہا کہ مرجائین سو وہ بہی نہوا**

یعنے اگر ہم مرجاتے تو ہمکو آفتون سے نجات ملجاتی اور اسی واسطے ہم نے
ایسی خواہش کی تہی۔ مرزا نے اسی غزل مین کہا ہے ؎ مین نے
چاہا تہا کہ اندوہ وفا سے چہوٹون ٭ وہ ستمگر مرے مرنے پہ بہی راضی نہوا
ظاہر ہے کہ دونون شعرون کا مطلب ایک ہے اس سے معلوم ہوا کہ غزل
مین تکرار معنی معیوب نہین ہے۔

مرگیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب	**ناتوانی سے حریف دم عیسی نہوا**

کہتا ہے کہ مین بسبب ناتوانی کے لب معشوق کی ایک جنبش مین مرگیا اور چونکہ
مین لب معشوق کا مارا ہوا تہا لہذا حریف دم عیسی نہوا کیونکہ حریف دم عیسی ہونا
اپنے لئے ننگ و عار سمجہا۔ جب ایسے معشوق زیبا کے کشتہ و مقتول ہوگئے تو
پھر کیا زندہ ہوتے۔ زندہ ہونے کو اپنے لئے ننگ سمجہا کیونکہ لب معشوق نے

مارا ہے عاشقون کو معلوم ہے کہ بعض وقت معشوق اپنے ہونٹون کو ناز و ادا کے ساتھہ کچھہ حرکت دیتے ہین جسکا مطلب صاف سمجھنے مین نہین آتا مگر اُسمین ہوتی کوئی بات ضرور ہے اور اپنے معشوق کی یہہ جنبش عاشقون کو بہت پیاری معلوم ہوتی ہے اور عاشق اپنے خیال مین جوش عشق کیوجہہ سے اس اشارہ کے سیکڑون معنے تصور کر لیتا ہے - **صدمہ** = آسیب اور ایک دفعہ باہم کوٹنا - یہان پہلے معنے یعنے آسیب مراد ہین اور چونکہ ہونٹون کا باہم ملانا کوٹنے کے ساتھہ مشابہت رکہتا ہے لہذا لفظ صدمہ سے اس شعر مین صنعت ایہام التناسب پیدا ہوگئی اور یہہ تازہ و جدید لفظ ہی جو اس صنعت مین مستعمل ہوا ہے درحقیقت میرزا صاحب نے نہایت عمدگی اور تازگی کے ساتھہ اس لفظ کو یہان استعمال کیا ہے اور یہہ لفظ اس صنعت مین معمولی لفظ نہین ہے - یہان اس لفظ کے دوسرے معنے مقصود نہین ہین مگر جنبش لب کے ساتھہ مناسبت رکہتے ہین - **یک جنبش لب سے** = یعنے یک جنبش لب معشوق سے - **حریف** = اس لفظ کے حقیقی معنے ہم پیشہ اور شریک اور حرف کنندہ کے ہین اور مجازی معنے ہم صحبت اور ہم نشین کے ہین کیونکہ جو ہم پیشہ ہوگا وہ کبہی نہ کبہی ہم صحبت اور ہم نشین ہوگا - **سے** = سببیہ ہے ناتوانی سے یعنے بسبب ناتوانی کے **دم عیسی** = عیسی علیہ السلام کی سانس جو مردون کو زندہ کرتی تہی اور یہہ عیسی علیہ السلام کا معجزہ تہا - مرگیا اور نہوا کا فاعل غالب ہے - یہہ شعر جادہ خیال بندی کا ایک عمدہ نمونہ ہے اس سے یہہ معلوم ہوتا ہے کہ کلام کے اندر محذوفات کے

ہونے سے متعدد معنے پیدا ہو جاتے ہین اور درحقیقت خیال بندی مین
اکثر یہہ بات ہوتی ہے کہ ضروری الفاظ حذف کر دئے جاتے ہین تاکہ
سامع شش و پنج مین پڑ جائے اور بلا تامل بلکہ خوض و تامل سے بھی
نہ سمجھے کہ قائل کیا کہتا ہے میرزا صاحب نے اس شعر مین لب کا مضاف
الیہ حذف کر دیا ہے لہذا اس شعر کے سننے سے سامع کو بلا تامل یہہ بات
معلوم نہین ہوتی کہ لب سے مراد لب معشوق ہے یا لب عیسی - اب وہ
اطراف و جوانب مین تلاش کرتا ہے اور اپنا خیال چار طرف دوڑاتا ہے
تاکہ مضاف الیہ کو پیدا کرے مگر وہ نہین ملتا لہذا شعر کے مطلب کیطرف
اپنا خیال پھیلایا تو یہہ مضمون ذہن مین آیا کہ حریف دم عیسی ہونے کے
کیا معنے - کیا دم عیسی کوئی خراب چیز ہے جسکا حریف بننا قائل نہین
چاہتا ہے تو فوراً یہہ بات ذہن مین آئی کہ دم عیسی نہایت پاکیزہ و مقدس
اور مردون کو زندہ کرنے والی شے ہے جب قائل ایسی عمدہ شے کا حریف
ہونا نہین چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ اُس سے بہتر اور عمدہ تر کوئی شے
قائل کو ملی ہے جسکی وجہ سے اُسکو یہہ بے پروائی اور بے اعتنائی ہوئی
ہے اب پھر سامع یہہ سوچنے لگا کہ وہ کیا شے ہوگی اور اسی سوچ کے
ساتھہ قائل پر نظر ڈالی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے تو معلوم ہوا کہ شاعر ہے
اور شعرا اکثر اپنا ایک فرضی معشوق مقرر کر لیتے ہین اور قائل کو جس چیز کے
ساتھہ عشق ہوتا ہے وہی شے اُس کے پاس عزیز تر اور عمدہ تر ہوتی ہے
لہذا یہان سے یہہ معلوم ہوا کہ لب معشوق مراد ہے نہ لب عیسی کیونکہ معشوق

بہت عزیز ہے۔ اُس کے لئے ایک مقدس شے سے دست بردار ہو رہا ہے

ستایش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضوان کا	وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیان کا

ستایش گر = تعریف کرنیوالا۔ **ستایش** = تعریف و توصیف گر = یہان اگر کا مخفف نہین ہے بلکہ ایک حرف ہے جو اسم فاعل کے معنے دیتا ہے **بیخود** = مست و بیہوش **باغ رضوان** = یعنے جنت۔ اور رضوان جنت کے داروغہ کا نام ہے **گلدستہ** = چند پھولون کو ایک جگہ جمع کرکے جو ایک دستہ اور مجموعہ بناتے ہین اُسکو گلدستہ کہتے ہین اصل مین یہہ لفظ دستۂ گل ہے مگر محاورہ مین بقلب اضافت یعنے گلدستہ بولتے ہین۔ کہتا ہے کہ ہم بے خودون کو اپنی بیخودی مین وہ سیر دکھائی دیتی ہے کہ ہم جنت کو بھول گئے یعنے ہماری بیخودی سیر و تماشے کے لحاظ سے جنت سے بہتر ہے اپنی بیخودی کی توصیف کی ہے کہ ہم اپنی بیخودی مین تمام کائنات کی سیر کرتے ہین بلکہ ہم ذات باری تعالیٰ کو دیکھتے ہین جسکا جمال پاک سب سے بہتر ہے اور اسی لئے جنت کو بھول گئے۔ یہان بیخودی سے عالم محویت کی بیخودی مراد ہے نہ کہ شراب کی بیخودی۔ جنت طاق نسیان کا گلدستہ ہے۔ یعنے جنت کو ہم بھول گئے اور جنت کو فراموش کر گئے۔ شعر صاف اور نہایت عمدہ ہے۔ مضمون کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ اگرچہ زبان کا فرق ہے۔